باب 5

مشاہیر

نیلسن منڈیلا

نیلسن منڈیلا

آزادی ایک بیش بہا نعمت ہے، اور اس کی خواہش اور طلب انسانی فطرت میں شامل ہے۔ اسی لیے انسان نے آزادی کے حصول کے لیے سب سے زیادہ قربانیاں دی ہیں۔ جو افراد یا قومیں ایثار نہیں کرتیں، وہ غلامی اور ذلت کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غلامی سے نجات اور تحریکِ آزادی کی کامیابی ہمیشہ اُن افراد کی جدوجہد کی مرہونِ منت ہوتی ہے، جو اپنے خون سے تاریخ رقم کرتے ہیں، یا ہمت و حوصلے سے حالات کا رخ بدل دیتے ہیں۔ ایسے لوگ ایسی روشن مثالیں قائم کرتے ہیں، جو آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوتی ہیں۔

جنوبی افریقہ کے نیلسن منڈیلا تاریخ کا ایک ایسا ہی لازوال کردار ہیں جنھوں نے 27 سال جیل کی تاریک کوٹھڑی میں گزار دیے مگر اِن کے حوصلوں کو پست نہ کیا جاسکا۔ حریت پسند اور آزادی کی تحریکوں کے پُر جوش کارکن آج بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو سعادت اور کامیابی کی دلیل سمجھتے ہیں۔

نیلسن منڈیلا 28 جولائی 1918ء کو جنوبی افریقہ کے ایک صوبے ٹرنسکائی کے گاؤں مویزو میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد اپنے قبیلے کے سردار تھے، وہ بہت خود دار تھے۔ چنانچہ ایک گورے مجسٹریٹ سے کسی بات پر ان بن ہوگئی، تو سرداری جاتی رہی۔ مراعات ختم ہوئیں تو مالی مشکلات بڑھ گئیں۔ 9 سال کی عمر میں نیلسن یتیم ہوگئے۔ اگلے دس سال ان کی تعلیم و تربیت سردار جانگن تابانے کی سرپرستی میں ہوئی۔ وہ اُن کے والد کے دوست تھے۔ نیلسن کا بچپن سادگی میں بسر ہوا۔ وہ فطرت کی گود میں پلے بڑھے۔ خوب صورت سبزہ زاروں میں دوستوں سے کھیلتے پھرتے، اور شام کو گھر آتے تو انھیں ان کے قبیلے زازا کے جنگی قصے سنائے جاتے اور ماں انھیں اخلاقی کہانیاں سنایا کرتی تھی۔

انھوں نے ابتدائی تعلیم گاؤں میں پائی۔ جب ان کی عمر سولہ سال ہوئی، تو انھیں کلارک بری کالج میں داخل کرادیا گیا۔ اس کالج میں نہ صرف ملک بھر سے طلبہ پڑھنے آتے، بلکہ سوازی لینڈ اور بچوانا لینڈ کے طلبہ بھی یہیں داخل ہوکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ہوسٹل میں سب مل کر خوش باش رہتے۔ دوسرے طلبہ کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا اور سماجی تربیت بھی۔ نیلسن کی نظر میں بھی وسعت پیدا ہوئی اور یہیں ان کا ذہنی افق وسیع ہوا۔ اسی کالج میں کچھ سفید فام طلبہ بھی پڑھتے تھے۔ بعض اوقات کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا، جس سے نسلی تعصب کو ہوا ملتی۔ نیلسن کے شعور میں یہ بات بیٹھ گئی تھی، کہ کالے افریقیوں کو سفید فاموں کے مقابلے میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔

1937ء میں نیلسن منڈیلا مزید تعلیم کے لیے ہیلڈ ٹاؤن کے ویزلیان کالج میں داخل ہوئے۔ یہاں تعلیم کا نظام اور بہتر تھا۔ اب ان

کے ذہن کے دریچے کھلتے جا رہے تھے۔ البتہ یہاں زندگی محنت طلب ہوگئی تھی۔ وہ کھیلوں خصوصاً مکے بازی اور دوڑوں میں حصہ لیتے تھے۔ ایک تقریب میں انھیں اپنے قبیلے زازا کے ایک شاعر کردن مخائے کو سننے کا اتفاق ہوا۔ اس نے نیلسن کے ذہن میں آزادی کا بیج بودیا' جو وقت کے ساتھ ساتھ تن آور درخت کا روپ دھار گیا۔

جب نیلسن نے فورٹ ہیر یونیورسٹی کالج میں داخلہ لیا، تو ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ یہ ادارہ ان کے تصور سے بھی زیادہ اچھا تھا۔ نیلسن اسے کالوں کا آکسفرڈ اور کیمبرج قرار دیتے تھے۔ یہ سیاہ فام افریقیوں کے لیے تعلیم و تربیت کا مرکز تھا۔ اس ادارے کا معاشرتی ماحول مہذب اور دانش ورانہ تھا۔ نیلسن یہاں پروفیسر جاباؤ اور پروفیسر زیڈ۔ کے میتھیوس سے بہت متاثر ہوئے۔ ان دونوں کے خیالات نیلسن نے قبول کیے۔ فورٹ ہیر ہی میں وہ عیسائی انجمن کے رکن بنے۔ وہ کبھی کبھی دیہات میں انجیل پڑھانے جایا کرتے تھے۔ انہیں انجمن طلبہ کا رکن منتخب کیا گیا مگر یہ انتخاب انہیں مہنگا پڑا۔ ایک اصولی مؤقف پر ڈٹ جانے پر انہیں کالج سے نکال دیا گیا۔ انھوں نے بعد میں اپنی کوشش سے بی اے کا امتحان پاس کر لیا۔

اس زمانے میں کالے افریقی نسلی تعصبات کا شکار تھے۔ انھیں مناسب روزگار میسر نہ تھا۔ نیلسن کو بھی انہی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک کان میں چوکیداری کی، ایک نجی ادارے میں کلرک اور قاصد بھی رہے۔ یہیں ان کی ملاقات مسٹر گاور سے ہوئی۔ وہ افریقی نیشنل کانگرس کے رکن اور ایک بڑے انقلاب پسند مقرر تھے۔ نیلسن کو انہوں نے سیاسی جدوجہد کی راہ پر لگایا اور وہ افریقی نیشنل کانگرس کے اجلاسوں میں شریک ہونے لگے۔

قانون کی تعلیم کے لیے نیلسن نے وٹ واٹر سرینڈ ریونیورسٹی میں داخلہ لیا' تو انہیں نئے نئے تجربات سے گزرنا پڑا۔ یہاں گورے کالے مل کر پڑھتے۔ کبھی کبھی روشن خیالی اور وسعت نظر کے مظاہرے بھی ہوتے، مگر یہاں بھی نسلی تعصبات خاصے تھے۔ کالوں کو برابر کا شہری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہاں نیلسن منڈیلا کو بہت سے کالوں اور ہندوستانیوں سے ملنے کا موقع بھی ملا۔ دوستی کے رشتے توانا ہوئے' تو یہی دوست آگے چل کر تحریک آزادی کا ہراول دستہ بن گئے۔

جنوبی افریقہ میں سونے کی کانیں تھیں۔ دیگر وسائل بھی وافر مقدار میں تھے' چنانچہ سفید فام افراد نے یہاں اقلیت میں ہونے کے باوجود حکومتیں بنائیں مگر کالوں کو حقوق نہ دیے۔ بہت سے ہندوستانی بھی یہیں آ کر آباد ہوگئے۔ ان لوگوں کے ساتھ بھی امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔ کالوں اور ہندوستانیوں کے رہائشی علاقے الگ تھے۔ گوروں کی آبادی میں ان کا داخلہ ممنوع تھا۔ ان کی ٹرینیں اور بسیں الگ تھیں، سکول الگ تھے۔ انھیں گوروں کے علاقے سے گزرنے کے لیے اجازت نامہ لینا پڑتا تھا۔ کالوں کو گوروں کے لیے مقرر دروازوں سے گزرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ پکی گلیوں میں چل بھی نہیں سکتے تھے، ساحلوں پر نہ جاسکتے تھے۔ اور بے شمار پابندیاں تھیں جن کی خلاف ورزی پر انھیں جرمانہ اور قید کی سزائیں دی جاتی تھیں۔

ان پابندیوں اور ناانصافیوں کے خلاف فضا منظم ہو رہی تھی۔ آزادی، سیاسی اور بنیادی حقوق کے لیے تحریک جڑ پکڑ چکی تھی۔ نیلسن اب پوری طرح سیاست کے میدان میں اتر چکے تھے۔ پہلے دس سال تو انھیں پابندیوں اور گرفتاریوں کا سامنا رہا۔ انھیں کئی سال زیر زمین رہ کر کام کرنا پڑا مگر کب تک؟ آخر کار وہ قانون کے شکنجے میں جکڑے گئے۔ مدتوں مقدمہ زیر سماعت رہا اور 25 جون 1964ء کو انھیں عمر قید سنا کر

جیل بھیج دیا گیا۔

نیلسن منڈیلا قانون دان تھے اور سیاسی رہنما بھی مگر وہ بڑی ناانصافیوں کا شکار ہوئے۔ انھیں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ بہت وزنی ہتھوڑوں سے پتھر کوٹ کر بجری بنانا پڑی، تیرہ سال مسلسل چونے کی بھٹیوں سے چونا نکالنا پڑا۔ جیل ان کے لیے آزمائش کی صلیب بن گئی جس پر انھیں مسلسل آزمایا گیا۔ بچے اور بیوی الگ سے دکھ جھیل رہے تھے۔ ماں فوت ہوگئی' تو وہ اس کے آخری دیدار سے بھی محروم رہے۔ 25 سالہ جوان بیٹا فوت ہوا تو وہ اس کی آخری رسومات میں بھی شریک نہ ہو سکے۔ اس سب کچھ کے باوجود ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ انھوں نے نہ تو آزادی کے حق کا سودا کیا اور نہ عوام کے بنیادی اور پیدائشی حقوق کی قیمت وصول کی۔ ان کی عمر کا 27 سال کا طویل عرصہ قید و بند میں گزر گیا۔ آخر کار فروری 1990ء میں حکومت کو انھیں رہا کرنا پڑا۔ ان کی پارٹی نے انھیں پارٹی کا صدر چُن لیا اور انتخابات میں بھاری اکثریت حاصل کر لی۔ راہِ آزادی کا یہ مسافر 1994ء سے 1999ء تک جنوبی افریقہ کا صدر رہا اور اس کے بعد انھوں نے عوامی زندگی سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا۔ اقتدار چھوڑ کر انھوں نے عظمت کی بلندیوں کی طرف ایک اور مضبوط قدم اُٹھایا۔

نیلسن منڈیلا نے جتنی صعوبتیں اٹھائیں اور جتنے دکھ جھیلے' وہ اپنی ذات کے لیے نہیں' بلکہ نسلی تعصب کے خاتمے اور اپنی قوم کے حقوق حاصل کرنے کے لیے تھے۔ انھوں نے زندگی کا بڑا حصہ جیل میں گزارا۔ ان کی قربانیوں کو عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا اور اب اقوامِ متحدہ نے ہر سال نیلسن منڈیلا کا عالمی دن منانے کا اعلان کیا ہے۔ یہ اعزاز نوبل انعام سے بھی بڑھ کر ہے۔

نیلسن منڈیلا نے آزادی کے لیے جتنے مصائب کا سامنا کیا' بیسویں صدی میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ ان کی قربانیوں کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ آزادی کی تحریکوں نے ان کے عزم و حوصلے سے جلا پائی۔ ان کا کردار حقوق کی خاطر لڑنے والوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوا۔ قاعدے اور اصول کے لیے چٹان کی طرح ڈٹ جانا بڑے ہی دل گردے اور حوصلے کی بات ہے۔ نسلی تعصبات شکست کھا گئے اور نیلسن منڈیلا تاریخ میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے۔ دنیا بھر میں ان کی تگ و تاز کو سراہا گیا۔ 1993ء میں انھیں نوبل انعام سے نوازا گیا۔ دنیا کی پچاس بین الاقوامی یونیورسٹیوں نے انھیں اعزازی ڈگریاں عطا کیں جن میں پاکستان کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی بھی شامل ہے۔ وہ یونیورسٹی آف نارتھ کے چانسلر بھی رہے۔ حقیقت میں نیلسن منڈیلا دنیا بھر کے آزادی پسند لوگوں کے دلوں کی دھڑکن اور سب کے لیے مثالی نمونہ بن چکے ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ نیلسن منڈیلا کو جدوجہد آزادی میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

2۔ ''نیلسن منڈیلا کی زندگی جدوجہد آزادی کی روشن مثال ہے'' تبصرہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ آزادی کے بنیادی تقاضے کیا ہیں؟

2۔ نیلسن منڈیلا کی یتیمی میں پرورش کس نے کی؟

3۔ نیلسن منڈیلا کی زندگی میں کردن مخائے کی کیا اہمیت ہے؟

4۔ مسٹر گاور نے نیلسن کی زندگی میں کیا کردار ادا کیا؟

5۔ سفید فام اور ہندوستانیوں نے جنوبی افریقہ کا رخ کیوں کیا؟

(ج) درست جواب کو نشان (✓) لگائیں۔

1۔ آزادی کی خاطر نیلسن منڈیلا نے ....سال جیل میں گزار دیے

(ا)17 (ب)27 (ج)30 (د)33

2۔ کلارک بری کالج منڈیلا کے لیے مفید رہا کیونکہ

(ا) اس کے دل میں آزادی کی تڑپ پیدا ہوتی (ب) وسعتِ نظر پیدا ہوگی

(ج) تعصبات کم ہوئے (د) حصول علم کی راہیں کشادہ ہوئیں

3۔ فورٹ ہیر یونیورسٹی کالج کو دیکھ کر منڈیلا کو خوشگوار حیرت ہوتی کیونکہ

(ا) یہ اس کے خوابوں سے زیادہ خوب صورت تھا (ب) اعلیٰ ترین تعلیمی ادارہ تھا

(ج) تہذیب اور دانش یک جا تھے (د) ا، ب، ج

4۔ تعلیم کے دوران میں منڈیلا نے محسوس کیا کہ سفید فام کالوں سے

(ا) تعصب برتتے ہیں (ب) پڑھائی میں آگے ہیں

(ج) خود کو حاکم سمجھتے ہیں (د) زیادہ ذہین ہیں

5۔ نیلسن منڈیلا نے آزادی کے لیے مصائب برداشت کیے لیکن

(ا) آزادی کے حق سے دستبردار نہ ہوئے　　(ب) عوام کے حقوق کی قیمت وصول نہیں کی

(ج) ان کا جذبہ توانا ہوتا گیا　　(د) ا، ب، ج

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
پیدائش	سردار جانگن	
آزادی کی تڑپ	13 سال	
چونا	چوکیداری	
سرپرستی	کردن مخائے	
کان	مویزو	
	27 سال	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ نیلسن منڈیلا کی اس آپ بیتی کی روشنی میں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ایک اچھے رہنما کی خوبیاں کیا کیا ہونی چاہئیں۔ "رہنما کے اوصاف" کے عنوان سے یہ لکھ کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

2۔ اپنے آزادی کے رہنماؤں (قائداعظم، علامہ محمد اقبال، محمد علی جوہر، حسرت موہانی، فاطمہ جناح وغیرہ) کا تصویری البم بنا کر محفوظ کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات

1۔ "آزادی کے تقاضے اور رہنما" کے موضوع پر ایک تحریری مقابلے کا اہتمام کریں اور اول دوم آنے والے طلبہ کو انعامات دیں۔

❁❁❁

عبدالستار ایدھی (1928 —— 2016)

عبدالستار ایدھی

آج سے پون صدی پہلے کی بات ہے۔ جونا گڑھ کے ایک نواحی گاؤں منتوا میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ ان کے والد کپڑے کے تاجر تھے۔ وہ ایک متوسط گھرانہ تھا جہاں دولت کی ریل پیل تو نہ تھی، لیکن گزر اوقات اچھی طرح ہو رہی تھی۔ وہ بچہ عام بچوں کی طرح پرورش پا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی پیش گوئی نہ کر سکتا تھا کہ بڑا ہو کر یہ بچہ عالمگیر شہرت حاصل کرے گا۔ البتہ اس کی تربیت میں ایک بات معمول سے ہٹ کر ہوئی۔ وہ بچہ جب صبح سکول جاتا، تو ماں روزانہ اسے دو پیسے دیتی، ایک اپنے لیے اور دوسرا کسی غریب بچے کے لیے۔ وہ سادہ سی دیہاتی عورت تھی جو بچوں کی نشوونما اور تربیت کے نفسیاتی گر تو نہیں جانتی تھی، لیکن اس کے دردمند جذبے نے بچے کے دل میں خدمتِ خلق کا جو بیج بو دیا، وہ آج ایک تن آور درخت بن چکا ہے۔ جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں زمانے کی کڑی دھوپ کے ستائے لوگ سکھ کا سانس لیتے ہیں۔ خدمتِ خلق کی دنیا کی اس طلسمی شخصیت (LEGEND) کا نام عبدالستار ایدھی ہے۔

عبدالستار ایدھی 1928ء میں پیدا ہوئے۔ وہ تعلیم کے میدان میں زیادہ آگے نہ بڑھ سکے۔ قدرت جب کسی فرد سے کام لینا چاہے، تو اسباب بھی پیدا کر دیتی ہے۔ پاکستان کے ایک صدر کی بیٹی ذہنی طور پر معذور تھی۔ باپ کو اُس کی معذوری کے دکھ نے ایک راستہ دکھایا، اور ملک بھر میں معذوروں کی امداد اور دیکھ بھال کے بہت سے ادارے وجود میں آ گئے۔ عمران خان کو کرکٹ کے میدان میں بہت شہرت ملی۔ اس کی والدہ کینسر کی مریضہ تھیں۔ عمران خان کو اپنی والدہ کے دکھ دیکھ کر کینسر کے مریضوں کی خدمت کا خیال آیا اور اس نے عزم و ہمت سے کام لے کر ایک بہت بڑا ہسپتال بنا ڈالا۔ عبدالستار ایدھی کی عمر 11 سال کی تھی کہ ماں کو فالج ہو گیا اور وہ ذہنی طور پر معذور ہو گئیں۔ ماں نے بچے کو خدمتِ خلق کا جو درس دیا تھا، وہ اسے بھولا نہیں تھا۔ وہ دن رات ماں کی خدمت میں لگا رہتا۔ منہ ہاتھ دھلانا، کھانا کھلانا، صفائی پر توجہ دینا وغیرہ۔ بیماری نے طول پکڑا تو بچے کے ذہن میں خدمت کا جذبہ اور توانا ہو گیا۔ ایدھی نے ماں کی اذیت بھری زندگی کو جتنا قریب سے دیکھا۔ دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے تڑپ اتنی ہی شدت اختیار کرتی گئی۔ اور پھر انھوں نے بے سہارا لوگوں کی خدمت کے لیے زندگی وقف کر دی۔

عبدالستار ایدھی کی عمر 19 سال تھی جب ان کی والدہ وفات پا گئیں۔ ملک تقسیم ہوا اور وہ جونا گڑھ سے کراچی آ بسے۔ انھوں نے یہاں کئی ملازمتیں کیں اور کئی کاروبار شروع کیے مگر کہیں بھی ان کا جی نہ لگا۔ آخر کار انھیں حاجی عثمان، عبدالغنی ایدھی اور میاں عبدالستار بوہرا جیسے کچھ اور ساتھی مل گئے اور ان سب نے مل کر "خدمتِ خلق" کمیٹی بنائی۔ ایک ڈسپنسری کھولی جس کے اخراجات تو حاجی عثمان نے برداشت کیے۔ البتہ انتظام و انصرام ایدھی کے ذمے تھا۔ وہ رات کو بھی وہیں فرش پر سو رہتے، تا کہ کوئی مریض مایوس نہ لوٹے۔ کچھ عرصے بعد انھوں نے "مدینہ ٹرسٹ" کے نام سے الگ ٹرسٹ بنا لیا اور بعد میں "عبدالستار ایدھی ٹرسٹ" قائم ہوا۔ ان کے رفاہی کاموں کی وجہ سے لوگوں کا

اعتماد بڑھتا اور کام پھیلتا گیا۔

''ایدھی فاؤنڈیشن'' پاکستان کا سب سے بڑا رفاہی ادارہ ہے۔ اس کی کافی شاخیں خدمت کے لیے چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہیں۔ ان کے پاس 1800 سے زائد ایمبولینس ہیں۔ ائیر ایمبولینس میں دو طیارے اور ایک ہیلی کاپٹر بھی میسر ہیں۔ کراچی میں ایمبولینس کنٹرول روم ہے، جسے موبائل وائرلیس نظام سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اطلاعات کا پورا نظام کام کر رہا ہے۔ ملک بھر میں کہیں بھی حادثہ ہو انھیں فوری اطلاع ملتی ہے۔ پولیس اور دیگر سرکاری ادارے بھی ان سے معلومات اور مدد لیتے ہیں۔ ایدھی کے مختلف رفاہی مراکز میں دو ہزار ملازم کام کرتے ہیں، جن میں 500 خواتین بھی شامل ہیں۔ دیگر بے شمار مرد اور خواتین بلا معاوضہ رضا کارانہ خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

ایدھی فاؤنڈیشن کی خدمات کا دائرہ دیگر ممالک تک وسیع ہو چکا ہے۔ دنیا بھر میں کہیں زلزلہ آئے یا طوفان یا کوئی اور قدرتی آفت یا جنگ سے تباہی پھیلے، ایدھی فوراً ضروری امدادی سامان لے کر پہنچتے ہیں۔ اب تک وہ افغانستان، لبنان، بنگلہ دیش، ایتھوپیا، آرمینیا، ایران، کویت، عراق، رومانیہ اور جاپان میں سماجی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ ایدھی انٹرنیشنل کے تحت کئی ایک منصوبے زیرِ تکمیل ہیں۔ چھ ارب ڈالر کے خرچ سے دوبئی میں ایدھی سنٹر قائم کیا جا رہا ہے، جس سے افریقی ممالک میں خدمات سرانجام دینا آسان ہو جائے گا۔

ایدھی مختلف اقسام کی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اگرچہ وہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں، لیکن خدمتِ خلق کے میدان میں ایدھی کا تجربہ اور ان کی صلاحیت (VISION) بہت وسیع تھی۔ وہ ایسی خدمات سرانجام دے رہے تھے، جن کے بارے میں عام آدمی کچھ بھی نہیں جانتا۔ اسی طرح ان کے مستقبل کے منصوبے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ انسانوں کے دکھوں کی فہرست کتنی طویل اور ایدھی کی سوچ کا دائرہ کتنا وسیع تھا۔ یتیم اور بے سہارا، گھروں سے بھاگے ہوئے اور ذہنی معذور بچوں کے لیے انھوں نے ''اپنا گھر'' کے نام سے ادارے قائم کیے تھے۔ انھیں فرصت میسر آتی تو وہاں جا کر بچوں سے پیار کرتے تھے۔ بچے بھی انھیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ وہ سب انھیں ''نانا جی'' کہتے تھے۔ کینسر ریسرچ، ہسپتال اور انٹرنیشنل کمیونٹی سنٹر بھی قائم کیے تھے۔ انھوں نے بیمار، زخمی اور لنگڑے جانوروں کے لیے مراکز بھی قائم کیے تھے۔

ایدھی جہاں موجودہ منصوبوں کو توسیع دینا چاہتے تھے وہاں ان کے کچھ خواب بھی تھے۔ وہ صدقِ دل سے چاہتے تھے کہ کوئی غریب، غریب نہ رہے اور ہر دکھی انسان سکھی ہو جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ لاچار لوگوں کے لیے گھر بنائے جائیں، نشہ کرنے والوں کے علاج کے لیے مراکز کا قیام، کمیونٹی سنٹر اور مزید ہسپتال کھولنا ان کے منصوبوں کا حصہ تھے۔ ایک بڑا منصوبہ یہ بھی تھا کہ ایدھی پبلک کچن بنائے جائیں جہاں غریبوں کو مفت کھانا مل سکے۔ وہ پس ماندہ علاقوں خصوصاً بلوچستان اور چولستان میں خدمت کے لیے دیہی مراکز بھی قائم کرنا چاہتے تھے۔

ایدھی کی بیوی بلقیس ایدھی ایک فری میٹرنٹی ہوم چلاتی ہیں اور بے سہارا بچے اپناتی ہیں۔ ایدھی کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ انھوں نے اپنے گھر کے اخراجات کے لیے الگ سے بندوبست کیا ہوا ہے اور وہ فاؤنڈیشن کا کوئی پیسہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کرتے اور نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ عام طور پر ملیشیا کے کپڑے اور چپل میں ملبوس ہوتے تھے۔ صبح سویرے چار پانچ بجے اٹھتے تھے۔ اپنی صبح کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے کرتے تھے اور وہ زندہ رہنے کے لیے کم سے کم خوراک کھاتے تھے۔

وہ صلہ وستائش سے بے نیاز ہمہ وقت سماجی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ دنیا بھر میں ان کی

خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ لوگ انھیں رحمت کا فرشتہ (Angel of Mercy) کہتے ہیں۔ ان کا نام گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں درج ہے۔ خدمتِ خلق کے حوالے سے ان کو عظیم انسان قرار دیا گیا ہے۔ معمولی پڑھا لکھا بوڑھا اتنا بڑا کام سرانجام دے رہے تھے کہ شاید کئی ادارے مل کر بھی ایسا کام سرانجام نہ دے سکیں۔ فلپائن نے انھیں سب سے بڑا سول اعزاز دیا ہے۔ روس اور کئی دیگر ممالک نے ان کی خدمات کے صلے میں انھیں اعزازات دیے۔ حکومتِ پاکستان نے بھی نشانِ امتیاز دیا۔ 2007ء میں ان کا نام نوبل انعام کے لیے بھی تجویز کیا گیا تھا۔ نوجوان نسل کے لیے ان کا پیغام ہے "انسان بنو، انسان بناؤ اور انسانیت کی خدمت کرو"۔ ایدھی بلاشبہ ایک عظیم انسان تھے۔ ان کی زندگی انسانی خدمت سے عبارت تھی۔ وہ مذہب و ملت کے افراد کی خدمت کرنا عبادت قرار دیتے تھے۔ یہ عظیم انسان 8 جولائی 2016 کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ مگر ان کی خدمات ہمیشہ جاری رہیں گی۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیے۔

1۔ عبدالستار ایدھی کی سماجی خدمات پر نوٹ لکھیں۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ عبدالستار ایدھی کی تربیت کا نمایاں پہلو کیا ہے؟

2۔ ایدھی کے ذہن میں سماجی خدمات کا جذبہ پروان چڑھانے میں کس کا کردار زیادہ اہم ہے؟

3۔ ایدھی نے خدمتِ خلق کی ابتدا کیسے کی؟

4۔ ایدھی کو خدمتِ خلق کے میدان میں کیا امتیاز حاصل ہے؟

5۔ فرصت کے اوقات میں ایدھی کیا کرتے ہیں؟

6۔ ایدھی نے نوجوان نسل کے لیے کیا پیغام دیا ہے؟

(ج) درست جواب کو نشان (✓) لگائیں۔

1۔ عبدالستار ایدھی کے دل میں خدمتِ خلق کا بیج .... نے بویا۔

(ا) ابتدائی سکول کے اساتذہ　　(ب) ماں کی محبت اور تربیت

(ج) دردمندوں کے تقاضے　　(د) ا، ب، ج

2۔ ایدھی کے ذہن کو خدمتِ خلق کے لیے یکسو کیا۔

(ا) اس ایک پیسے نے جو ماں نے اسے بچپن میں دوسروں کے لیے دیتی　　(ب) ماں کی معذوری

(ج) لوگوں کے دکھوں　　(د) غربت کے احساس

3۔ ایدھی فاؤنڈیشن کے خدمات کے سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

(ا) ایمبولینس بیڑا　(ب) اطلاعاتی نظام　(ج) ہسپتال　(د) لنگر

4۔ ایدھی کو سب سے بڑا سول اعزاز..................نے دیا

(ا) امریکہ (ب) برطانیہ (ج) فلپائن (د) جاپان

5۔ ایدھی کی خدمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ان میں..................کی وجہ سے ہے۔

(ا) تعلیم (ب) زرومال (ج) جذبہ خدمت خلق (د) دکھی انسانوں کے لیے دردِ دل

(د) خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ عبدالستار ایدھی ایک..................گھرانے میں پیدا ہوئے۔

2۔ عبدالستار ایدھی کی والدہ کو..................ہوگیا۔

3۔ ان کے پاس..................سے زائد ایمبولینس پر مشتمل بیڑا ہے۔

4۔ ان کی بیگم ایک فری..................چلاتی ہیں۔

5۔ ایدھی کا نام..................میں نوبل پرائز کے لیے نامزد کیا گیا۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ ہر بچہ کھڑے ہو کر سکاؤٹوں کی طرح اپنی آن پر وعدہ کرے کہ وہ ہر روز ایک کام دوسروں کی خدمت کے لیے کرے گا پھر اس آن پر قائم رہے۔

2۔ ایک ڈائری بنائیں جس پر ہر روز سونے سے قبل درج کریں کہ آج آپ نے دوسروں کے سکھ کے لیے کیا کیا۔ یہ بات آپ کا دل مسرتوں سے بھر دے گی۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات

1۔ طلبہ کو ایسی کہانیاں سنائیں جس سے ان کے دل میں خدمت خلق کا جذبہ پیدا ہوا۔

2۔ ایدھی کی اپیل پر آپ اور دیگر طلبہ عطیات اکٹھے کر کے جمع کرائیں۔

مدر ٹریسا---------مادرِ مہرباں

مدر ٹریسا

وہ امن اور محبت کی پیامبر تھیں۔ قدرت نے انھیں دردِ دل اور خدمتِ خلق کے جذبے سے نوازا تھا۔ چنانچہ ان کی ساری عمر ناداروں، مریضوں اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے بے سہارا افراد کے لیے وقف رہی۔ خاص طور پر کوڑھی اور جذامی افراد کے لیے، جن کی خدمت کرنا' تو ایک طرف، لوگ ان کے قریب جاتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ وہ ان کے لیے سراپا شفقت رہیں۔ مدر ٹریسا نے ان کے لیے الگ بستی بسائی اور ان کو ہر طرح سے مدد دی۔ ساٹھ سال تک ان لاچاروں اور ناداروں کی خدمت کرنے کے بعد وہ خود بیمار رہنے لگیں۔ انھیں 1979ء میں نوبل انعام سے نوازا گیا، مگر اُن کا اصل انعام لاکھوں انسانوں کا وہ احساسِ تشکر تھا' جس کا اظہار ان کے دنیا سے رخصت ہونے پر غریب لوگوں نے کیا۔ وہ ہندوستان کے نادار افراد کے لیے ہمدردی کا نمونہ تھیں اور ان کا نام ہی ہمدردی، شفقت اور مدد کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

مدر ٹریسا 26 اگست 1910ء کو مقدونیہ کے شہر سکوپجی میں پیدا ہوئیں۔ یہ شہر ان دنوں سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ تھا۔ بعد میں یہ یوگوسلاویہ کے صوبے مقدونیہ کا صدر مقام بھی رہا۔ ان کے خاندان کا تعلق البانیہ سے تھا اور ان کے والد پنساری تھے۔ یہ خاندان 1928ء میں آئرلینڈ جا بسا۔ مدر ٹریسا نے وہیں ورجن میری انسٹی ٹیوٹ میں مذہبیات اور نرسنگ کی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے بارہ سال کی عمر میں راہبہ بننے کا فیصلہ کر لیا۔ جب ان کی عمر 18 سال ہوئی تو وہ لیڈی لورٹیو کی راہبات کے نظام میں شامل ہو گئیں۔ ڈبلن میں چند ماہ تربیت حاصل کرنے کے بعد وہ ہندوستان چلی گئیں' اور ہندوستان کے صحت افزا مقام دارجلنگ کے مشن میں شامل ہو گئیں۔ انھوں نے 24 مئی 1931ء کو راہبہ کا حلف اٹھایا۔ وہ 1931ء سے 1946ء تک سینٹ میری ہائی سکول کولکتہ میں تدریسی فرائض سرانجام دیتی رہیں۔

مدر ٹریسا جن دنوں کولکتہ میں شعبہ تعلیم سے وابستہ تھیں، تو انھیں ایسے لگا جیسے ان کے اندر سے آواز آ رہی ہے کہ "سکول کو چھوڑو، غریبوں میں رہو اور ان کی خدمت کرو، وہ گلیوں میں مر رہے ہیں"۔ انھوں نے دل کی آواز پر لبیک کہا۔ راہبہ ہونے کے ناطے انھیں اپنے نظام سے اجازت لینا تھی۔ چنانچہ 1948ء میں انھیں پوپ کی طرف سے ایک خود مختار راہبہ کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت مل گئی۔ اسی سال انھوں نے "مشنری آف چیریٹی" کے نام سے ادارہ قائم کر لیا۔ ابھی ان کے پاس مالی وسائل نہیں تھے اس لیے کھلے آسمان تلے انھوں نے غریب بچوں کو تعلیم دینا شروع کر دی۔

شہر کی تاریک گلیوں میں اتر کر اور غریبوں میں رہ کر انھوں نے مشنری جذبے سے کام کیا۔ بلدیہ کولکتہ کے کارپردازان نے انھیں ایک ہوسٹل دے دیا۔ مالی وسائل بھی حاصل ہونے لگے اور کچھ مخلص کارکن بھی میسر آ گئے۔ انھیں ہندوستان کی شہریت بھی دی گئی۔ پوپ کی اجازت سے انھوں نے ایک محتاج خانہ بھی قائم کر لیا۔ یہاں ایسے لوگوں کی دیکھ بھال کی جاتی جن کا دنیا میں دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔

مدر ٹریسا نے ہندوستان میں غریبوں اور بے سہارا انسانوں کو جینے کا سلیقہ اور حوصلہ دیا۔ انھوں نے اندھوں کی مدد کے لیے سنٹر کھولے، بوڑھوں کے لیے الگ مراکز قائم کیے۔ معذوروں اور دیگر مریضوں کے علاج اور فوری مدد کے لیے ڈسپنسریاں اور ہسپتال بنوائے۔ 1970ء میں کولکتہ میں ساٹھ مراکز قائم تھے اور ایک ہزار راہبات ان میں کام کر رہی تھیں۔ بعد میں ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کی تعداد بڑھ کر 54 اور 213 ہوگئی۔ مدر ٹریسا نے ایک اور منفرد کام کیا کہ جذامیوں کے لیے الگ سے شانتی نگر بستی قائم کر دی۔ یتیم خانے اس کے علاوہ تھے۔ جو مادر مہربان کی نگرانی میں سرگرم عمل تھے۔

ہندوستان میں ان کے کام کو استحکام ملا، تو انھوں نے اپنے رفاہی کام کا دائرہ دوسرے ممالک تک وسیع کر دیا۔ پوپ کی اجازت سے مشنریز آف چیریٹی کے حوالے سے وہ بین الاقوامی مذہبی خاندان کا حصہ بن گئیں۔ اب یہ کام بڑھتا گیا' اور ان کی تنظیم ایک بین الاقوامی تنظیم بن گئی۔ 1979ء میں اس کی شاخیں مشرقی یورپ، افریقہ، لاطینی امریکہ اور ایشیا کے بہت سے ممالک میں قائم ہوگئیں اور قدرتی آفات، وبائی امراض، ایڈز کے مریضوں اور شرابیوں کی مدد اور علاج کے لیے وہ سرگرم عمل رہیں۔ 1990ء میں دنیا کے چالیس ممالک میں نوے لاکھ افراد مدر ٹریسا کے قائم کردہ اداروں میں کام کر رہے تھے۔ اب وہ خود بیمار رہنے لگیں' اس لیے اپنے مشن سے مستعفی ہوگئیں' اور وہ 5 ستمبر 1997ء کو اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔

مدر ٹریسا نے مفلس اور بے سہارا لوگوں کے لیے مختلف اقسام کی خدمات سرانجام دیں۔ دنیا بھر میں ان کو سراہا گیا۔ انھیں 1979ء میں سماجی خدمات کا ''نوبل انعام'' دیا گیا۔ حکومت ہند نے انھیں سول اعزاز پدم شری اور نہرو ایوارڈ دیا۔ پوپ پال نے امن انعام اور فلپائن نے انھیں سب سے بڑے سماجی اعزاز سے نوازا۔ انھیں اس کے علاوہ بھی بہت سے ملکوں نے اعزازات عطا کیے۔ ان کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ بہت بڑی تعداد میں غریبوں، بیماروں اور دکھی انسانوں نے انھیں گہرے دکھ اور احساسِ تشکر کے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ روانہ کیا۔ ان کا نعرہ تھا ''غریبوں کو معلوم ہو کہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں''۔ اور ''غربت کا خاتمہ باہمی اشتراک سے ہی ممکن ہے''۔

مدر ٹریسا مسیحی راہبہ تھیں۔ انھوں نے پوپ سے اجازت لے کر سماجی اور فلاح و بہبود کے کام کیے۔ مسیحی مذہب میں عوامی خدمات عموماً مرد انجام دیتے ہیں۔ جبکہ مدر ٹریسا نے خاتون ہوتے ہوئے بے سہارا انسانوں کو مضبوط سہارا فراہم کیا۔ ان کی انسانی خدمت کی لگن اور جذبے سے متاثر ہو کر پوپ نے بھی انہیں عوامی فلاح و بہبود کے کام کرنے کی اجازت دی۔ ان سب باتوں سے سبق ملتا ہے۔ کہ انسانوں کی خدمت ایک عظیم کام ہے جس کا صلہ خدائے بزرگ و برتر سے ملتا ہے اور جس سے انسانیت کا بھلا ہوتا ہے۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

i۔ مدر ٹریسا کی خدمات کا احاطہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ مدر ٹریسا کہاں پیدا ہوئیں؟

2۔ کولکتہ میں وہ کس سکول سے وابستہ رہیں؟

3۔ مدر ٹریسا نے کوڑھی اور جذامیوں کے لیے کیا خاص خدمت سرانجام دیں؟

4۔ اپنا الگ نظام قائم کرنے کے لیے انھیں کس سے اجازت لینا پڑی؟

5۔ مدر ٹریسا کے قائم کردہ ادارے کا نام کیا تھا؟

(ج) درج ذیل سوالوں کے درست جواب کا انتخاب کیجیے۔

1۔ مدر ٹریسا نے ایک بستی شانتی نگر.............................کے لیے بسائی۔

(الف) یتیموں (ب) اندھوں (ج) جذامیوں (د) معذوروں

2۔ مدر ٹریسا نے ہندوستان آ کر کس مقام پر مشن میں شامل ہوئیں۔

(الف) شملہ (ب) دارجلنگ (ج) مسوری (د) کولکتہ

3۔ مدر ٹریسا نے ہندوستان میں راہبہ کا حلف اٹھایا۔

(الف) 1928ء (ب) 1931ء (ج) 1934ء (د) 1936ء

4۔ مدر ٹریسا کو نوبل انعام.............................میں ملا۔

(الف) 1979ء (ب) 1989ء (ج) 1999ء (د) 2006ء

5۔ 1990ء میں ان کا کام.............................ممالک میں پھیل چکا تھا۔

(الف) 40 (ب) 45 (ج) 50 (د) 60

(د) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط کے سامنے غ لکھیں۔

1۔ مدر ٹریسا اٹلی میں تربیت کے بعد ہندوستان چلی آئیں۔

2۔ مدر ٹریسا نے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تدریس کا شعبہ چھوڑ دیا۔

3۔ 1990ء میں ان کے مشن سے وابستہ افراد کی تعداد 90 ہزار تھی۔

4۔ غریب لوگوں کا اظہار تشکر ان کے لیے نوبل انعام سے بڑا اعزاز تھا۔

5۔ 1948ء میں پوپ نے انھیں خود مختار راہبہ کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت دے دی۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ آپ کو مدر ٹریسا کی کون سی بات اچھی لگی؟ ہر ایک طالب علم نوٹ کرے۔ پھر سب طلبہ کی پسند کی فہرست بنائیں اور ان اچھی باتوں کو ترتیب دے کر ایک چارٹ بنائیں۔

2۔ ہر طالب علم خدمت خلق کی اہمیت پر ایک صفحے کا نوٹ لکھے۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ خدمت خلق کا مذہب سے گہرا تعلق ہے۔

2۔ طلبہ سے اپنے شہر کے کسی ایسے معروف کارکن کے حالات دریافت کریں جو خدمتِ خلق میں پیش پیش رہتا ہو۔

❁❁❁

ڈاکٹر محمد یونس-----بیماریِ غربت کا مسیحا

ڈاکٹر محمد یونس

غربت، بیماری، جہالت اور بھوک تیسری دنیا کے بڑے بڑے روگ ہیں، جنھیں دیکھ کر ہر حساس دل تڑپ اٹھتا ہے۔ ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ احساس اور درد دل ہی انسانیت کا بہترین جوہر ہے۔ بعض اوقات یہی احساس کسی نہ کسی صاحبِ دل کو ایسی تحریک دیتا ہے کہ وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور اپنے فکر وعمل سے لاکھوں انسانوں کے دکھوں کا مداوا کر دیتا ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ جنوب مشرقی ایشیا کے ایک پس ماندہ اور ترقی پذیر ملک میں پیش آیا۔ معاشیات کے ایک استاد دن بھر یونیورسٹی میں پڑھاتے اور شام کو قریبی دیہات میں نکل جاتے۔ وہ غریب لوگوں کو مزدوری کرتے دیکھتے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ مزدور خواتین کی دن بھر کی مزدوری صرف دو مٹھی چاول ہیں، اور یہ سب افراد قرض کے آہنی شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہیں، تو ان کا دل پسیج گیا۔ انھیں بخوبی معلوم تھا کہ کسی فرد یا ملک کی کمزور معیشت انھیں گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ انھوں نے تہیہ کرلیا کہ وہ ان غربت کے مارے انسانوں کو قرض سے نجات دلائیں گے۔ انھوں نے منصوبہ بنایا اور فوراً عمل بھی شروع کر دیا۔ چند سالوں میں انھوں نے کایا پلٹ دی۔ اس دردمند انسان کا نام ڈاکٹر محمد یونس ہے۔ ان کی سماجی خدمات کے اعتراف میں انھیں 2006 میں نوبل انعام دیا گیا۔

محمد یونس 28 جون 1940ء کو چٹاگانگ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک صرّاف تھے۔ انھوں نے اعلیٰ ثانوی درجہ تک تعلیم چٹاگانگ میں حاصل کی۔ بی اے اور ایم اے معاشیات کے امتحانات ڈھاکہ یونی ورسٹی سے پاس کیے، اور وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلے گئے۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ کچھ عرصہ کولمبو یونی ورسٹی سری لنکا میں معاشیات کے استاد رہے۔ بعدازاں وہ چٹاگانگ یونی ورسٹی میں معاشیات کے استاد مقرر ہوئے۔

ڈاکٹر محمد یونس عام لوگوں کی حالت سے آگاہ تھے، مگر اس غربت کی وجوہات جاننے اور ذاتی مشاہدے کے لیے وہ یونی ورسٹی کے نواحی گاؤں جوبرا چلے گئے۔ وہاں انھوں نے ایک مزدور بُڑھیا کا انٹرویو کیا اور گلی کے دیگر لوگوں کے حالات کا جائزہ لیا۔ انھیں معلوم ہوا کہ وہ لوگ 10% سود ہفتہ کی بنیاد پر قرض لیتے ہیں اور مال تیار کرتے ہیں۔ ساہوکار آ کر مال لے جاتا ہے اور انھیں دن بھر کی مزدوری دو مٹھی چاول دے جاتا ہے۔ یہ سب کارکن بری طرح استحصال کا شکار ہو رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ 42 گھرانوں کو قرض سے نجات دلانے کے لیے صرف 27 ڈالر کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ انھوں نے اپنی جیب سے 27 ڈالر دے کر ان افراد کو قرض سے نجات دلا دی۔ یہیں سے ان کے ذہن میں ''گرامین بنک'' قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

ڈاکٹر محمد یونس نے حالات کا تجزیہ کیا۔ اس معاشرے میں کارکن خواتین کی خاصی بڑی تعداد تھی۔ ان کا یقین ہے کہ مالی معاملات میں خواتین زیادہ ذمہ دار ہوتی ہیں۔ وہ مردوں کے مقابلے میں صرف دو فیصد نادہندہ ہوتی ہیں اور قرض کے معاملے میں ان پر زیادہ اعتماد کیا جا

سکتا ہے۔ انھوں نے پہلے ذاتی ضمانت پر گاؤں کی کارکن خواتین کو تین سو ڈالر کا قرض لے کر دیا۔ خواتین نے یہ بلاسود قرض آسان قسطوں میں واپس کر دیا۔ تب ان کا اعتماد یقین میں بدل گیا۔ چنانچہ انھوں نے گرامین (دیہی) بنک کھول دیا۔

دسمبر 1976ء میں اس بنک کا افتتاح ہوا اور پھر یہ مسلسل ترقی کرتا گیا۔ حکومت کی توجہ ہوئی تو حکومتی امداد بھی ملنی شروع ہو گئی۔ 1983ء میں اس بنک کو باقاعدہ بنک کی شکل حاصل ہوئی۔ چونکہ یہ دیہی بنک ہے اور دیہاتیوں کو بلا ضمانت قرضے دیتا ہے۔ اس لیے اس کی زیادہ پیش رفت اور ترقی دیہات ہی میں ہے۔ 2006ء کے آتے آتے اس بنک کی 2226 شاخیں قائم ہو چکی تھیں اور اکہتر ہزار سے زائد دیہات ساہو کاروں کے چنگل سے آزاد ہو چکے تھے۔ اس بنک سے قرض لینے والی 96 فیصد خواتین ہیں اور قرض چکانے کی شرح 98 فیصد ہے۔

ڈاکٹر محمد یونس نے جو طرح ڈالی، وہ قابلِ رشک ثابت ہوئی چنانچہ بنگلہ دیش کے علاوہ دنیا کے دیگر 45 ممالک میں اسی طرز پر بنک کھولے گئے ہیں اور ان سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد دس کروڑ سے زائد ہو گئی ہے۔ بنگلہ دیش میں قرض خواہوں کی سماجی حالت کافی بدل گئی ہے۔ اب سب کو پختہ چھت کے گھر میسر ہیں۔ انھیں بیمۂ صحت کی سہولت بھی حاصل ہے اور ان سب کے بچے سکول جاتے ہیں۔

گرامین بنک نے ایک اور پیش قدمی کی ہے۔ اس نے 45 ہزار بھکاریوں میں سے، ہر ایک کو 100 ٹکے قرض دیئے۔ ان میں سے ہر ایک ہر ہفتے دو ٹکے بنک کی قسط ادا کرتا ہے۔ اس طرح وہ افراد بھیک مانگنا چھوڑ کر کام کرنے لگے ہیں اور وہ ملک کے مفید شہری بن چکے ہیں۔ بنک نے گرامین فون اور گرامین ٹیلی کام کمپنیاں بھی قائم کی ہیں اور ایک لاکھ 39 ہزار خواتین کو دیہات میں عوامی فون گھر (PCO) کھول کر دیے ہیں۔ اب بنک ایک اور پیش رفت کرنے کا منصوبہ رکھتا ہے کہ وہ غریب لوگوں کو مچھلی گھر بنا کر دے۔ امید ہے کہ اس منصوبے سے مستقبل میں مزید لاکھوں انسانوں کی تقدیر بدل جائے گی۔

ڈاکٹر محمد یونس کو اس گرامین بنک کی وجہ سے بے پناہ شہرت حاصل ہوئی اور ان کی عزت و وقار میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ دنیا بھر میں ان کے منصوبوں کی نہ صرف تعریف کی گئی، بلکہ انھیں بہت سے اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ اب تک انھیں اپنے ملک اور دیگر ممالک سے 60 سے زائد اعزازات دیے جا چکے ہیں جن میں 2006ء میں ملنے والا نوبل انعام بھی شامل ہے۔ صدارتی اعزازات کے علاوہ فلپائن کا سب سے بڑا سماجی اعزاز "رامن میگلے" بھی انہیں مل چکا ہے۔ اس کے علاوہ انھیں 26 اعزازی پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی دی جا چکی ہیں۔ وہ بے شمار کمپنیوں کے رکن بھی ہیں۔ اس ساری عزت افزائی کے باوجود، ان کے لیے سب سے بڑا انعام ان خواتین کے تشکر کے جذبات ہیں، جنھیں قرض کے پھندوں سے نجات اور جینے کا سلیقہ نصیب ہوا۔ ڈاکٹر محمد یونس انھی لوگوں کی دعاؤں سے اپنی بیگم اور اپنی بیٹی کے ہمراہ خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد یونس کی سماجی خدمات سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ انسان کچھ کر گزرنے کا مصمم ارادہ کر لے، منصوبہ بندی اور غور و فکر کے بعد عملی اقدامات کرے، تو وہ بنی نوعِ انسان کے دکھوں کو کم کر سکتا ہے۔ یہ محض ڈگری کا کمال نہیں کہ ایسی ڈگریاں تو کئی لوگوں کے پاس ہوتی ہیں۔ اصل بات تو دردِ دل کی ہے۔ ان کی شاندار خدمات صرف قابلِ تحسین ہی نہیں، بلکہ لائقِ تقلید بھی ہیں۔

پاکستان نے بھی ڈاکٹر محمد یونس کے تجربات اور منصوبوں سے استفادہ کرتے ہوئے دیہی بہبود کے منصوبے بنائے ہیں۔ چنانچہ چھوٹے کاشتکاروں اور چھوٹے کاروباری اصحاب کو قرضے دیئے جاتے ہیں۔ انہیں آسان اقساط میں وصول کیا جاتا ہے جس سے لاکھوں دیہاتی خاندان فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ ڈاکٹر محمد یونس کی عوامی خدمات سے کیا سبق ملتا ہے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ انسانیت کا اصل جوہر کیا ہے؟

2۔ ڈاکٹر محمد یونس کہاں پیدا ہوئے؟

3۔ ڈاکٹر محمد یونس نے کن دو جامعات میں تعلیم دی؟

4۔ ڈاکٹر محمد یونس نے 42 مزدوروں کا کتنا قرض اپنی جیب سے ادا کیا؟

5۔ خواتین کو قرض دینے کا تجربہ کیوں خوش گوار رہا؟

6۔ ''گرامین بنک'' کی تقلید میں کتنے ممالک نے بنک کھولے؟

(ج) درست جواب کو نشان لگائیں۔

1۔ ڈاکٹر محمد یونس......................کے استاد تھے۔

(الف) سماجیات (ب) نفسیات (ج) معاشیات (د) حیوانیات

2۔ ڈاکٹر محمد یونس نے جامعہ......................میں تدریس کی ابتدا کی۔

(الف) چٹا کانگ (ب) کولمبو (ج) ڈھاکہ (د) علی گڑھ

3۔ ڈاکٹر محمد یونس کے مطابق مالی معاملات میں زیادہ ذمہ دار ہیں۔

(الف) عورتیں (ب) مرد (ج) بنک افسران (د) عام آدمی

4۔ ڈاکٹر محمد یونس کے قائم کردہ بنک کا نام......................ہے۔

(الف) چٹا کانگ بنک (ب) گرامین بنک (ج) نیشنل بنک (د) حبیب بینک

5۔ ڈاکٹر محمد یونس کو نوبل انعام......................میں دیا گیا۔

(الف) 2006ء (ب) 2007ء (ج) 2008ء (د) 2009ء

(د) کالم (الف) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جواب کالم (ج) میں درج کریں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دردمند	ڈھاکہ یونیورسٹی	
نوبل انعام	چٹاگانگ یونیورسٹی	
استاد	1976ء	
ایم اے	2006ء	
گرامین بنک	محمد یونس	
	1940ء	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ ہر طالب علم ڈاکٹر محمد یونس کی خدمات پر انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ایک صفحہ لکھے۔

2۔ انٹرنیٹ سے گرامین بنک اور ڈاکٹر محمد یونس کے بارے میں مزید معلومات جمع کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ سے عوامی خدمت گاروں (سرگنگا رام، گلاب دیوی، دیال سنگھ وغیرہ) کی تصاویر کا البم تیار کرائیں اور کمرۂ جماعت میں نمایاں جگہ پر لٹکائیں۔

2۔ پاکستان کے بڑے بڑے مخیّر حضرات کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں اور طلبہ کو اہم باتیں نوٹ کرنے کو کہیں۔

نجیب محفوظ------- عرب دنیا کا ایک عظیم ناول نگار

نجیب محفوظ

ادب زندگی کا حُسن ہے، اور اس کی تہذیب بھی کرتا ہے، اور ادب ہی سے مہذب معاشرے وجود میں آتے ہیں۔ اسی لیے ہر معاشرے میں ادیبوں کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں سیکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں اور ان کا دائرہ اثر بھی مختلف ہے۔ جن ممالک میں بڑی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ وہاں چھوٹی زبانوں کا دائرہ اثر محدود ہوتا ہے۔ لیکن دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں، جو ادب کے وجود سے خالی ہو۔ بڑی اور قدیم زبانوں کا ادب وسیع ہوتا ہے اور ان کے ادیبوں کی حیثیت بھی مسلمہ ہوتی ہے۔ جو اہلِ قلم زندگی کی تہذیب و تعمیر میں زیادہ فعال ہوتے ہیں، قدرت ان پر مہربان ہوتی ہے اور دیگر لوگوں کی نسبت وہ زیادہ باصلاحیت اور ذہین ہوتے ہیں۔ وہ عموماً بچپن ہی سے مشق اور مطالعے سے اپنی ان فطری صلاحیتوں کو نکھارنے لگتے ہیں۔ عربی زبان کے عظیم ادیب نجیب محفوظ کو بھی بچپن ہی سے لکھنے سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ ابھی تیسری جماعت کے طالب علم تھے کہ ناول پڑھنے لگے۔ انھوں نے یہ عادت بنالی کہ وہ جو بھی ناول پڑھتے، اسے اپنی زبان میں لکھتے، عنوان کا صفحہ بنا کر اس پر اپنا نام بطور مصنف لکھتے۔ نیز فرضی ناشر کا نام بھی تحریر کر دیتے۔ اس مشق نے انہیں اتنا کچھ دیا کہ آگے چل کر یہ بچہ عربی زبان کا بہت بڑا ناول نگار بنا اور 1988ء میں اسے ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

نجیب محفوظ 11 دسمبر 1911ء میں قاہرہ کے محلے الجمالیہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے چار بھائیوں اور دو بہنوں میں وہ سب سے چھوٹے تھے۔ چار سال کی عمر میں انہیں سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ 1934ء میں انھوں نے جامعہ فواد الاوّل (اب قاہرہ یونی ورسٹی) سے فلسفے کے ساتھ بی اے کیا۔ زمانۂ طالب علمی میں وہ مسلسل لکھتے رہے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین، عباس محمود، العقاد اور سلامہ موسیٰ جیسے جید ادیبوں کا طوطی بولتا تھا۔ نجیب بھی فکری اعتبار سے اُن سے متاثر ہوئے۔ انگریزی زبان میں دسترس کے لیے انھوں نے اسی دور میں جیمز بیکی (James Baikie) کی کتاب (History of Egypt) کا 'مصر القدیمہ' کے نام سے عربی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ پوسٹ گریجویشن کے لیے انھوں نے تحقیقی مقالہ لکھنا چاہا، مگر انھوں نے افسانے لکھنے شروع کر دیے اور زندگی بھر کے لیے ادب ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔

1936ء سے 1939ء تک وہ اپنی مادرِ علمی میں انتظامی عہدے پر کام کرتے رہے۔ بعد ازاں انھوں نے وزارتِ اوقاف میں ملازمت شروع کی اور 1954ء تک وہاں رہے۔ جس کے بعد وہ وزارتِ ثقافت سے وابستہ ہو گئے اور سبکدوش ہونے تک وہیں کام کرتے رہے۔ بچپن میں ماں انہیں کبھی کبھی عجائب گھر لے جاتی۔ تاریخ سے ان کی دلچسپی ہمیشہ رہی۔ انھوں نے ناولوں کے نام بھی قاہرہ کے مختلف محلوں کے نام پر رکھے ہیں۔ 1919ء میں مصر میں انقلاب آیا۔ انھوں نے جگہ جگہ لاشوں کے ڈھیر اور خاک و خون کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ان پر وفدی تحریک کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ وہ گہرا سماجی شعور رکھتے تھے۔ یہ سب کچھ اُن کے شعور سے لاشعور میں اتر گیا۔

نجیب محفوظ زیادہ لکھنے والے ادیب تھے لیکن انھوں نے اپنے معیار کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ 1934ء سے 1939ء تک انھوں نے 80 کے لگ

بھگ افسانے شائع کرائے۔ پھر وقفے وقفے سے ان کے افسانوں کے کئی مجموعے منظرِ عام پر آئے۔ انھوں نے 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد جو افسانے لکھے وہ پانچ مجموعوں میں شائع ہوئے۔ موضوع اور تکنیک کے لحاظ سے یہ افسانے بلند پایہ شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سیاسی رنگ غالب ہے۔ مگر نجیب کا اصل ادبی میدان ناول نگاری ہی ہے۔

ناول سے انھیں بچپن ہی سے دلچسپی تھی۔ انھوں نے تیسری جماعت میں اپنے دوست یحییٰ صقر سے ایک جاسوسی ناول لے کر پڑھا اور پھر یہ تسلسل کبھی نہ ٹوٹا۔ انھوں نے جو ناول لکھے، ان میں تاریخی ناولوں کی طرف رجحان غالب نظر آتا ہے۔ چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد مصر قدیم فرعونی دور پر 35 ناول لکھنے کا پروگرام بنایا، مگر وہ صرف تین ناول لکھ پائے۔ یہ ناول 1939ء، 1943ء اور 1944ء میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد ان کے ذہن پر عصری تقاضے غالب آ گئے۔ اب ان کی ناول نگاری کی رفتار تیز ہو گئی اور تقریباً ہر سال ایک ناول شائع ہونے لگا۔ متوسط اور نچلے محنت کش طبقے کی زندگی کی عکاسی ان کے ناولوں کا امتیازی پہلو تھا۔

1946ء سے 1952ء تک وہ ایک ضخیم ناول لکھ پائے۔ یہ ایک ایسا شاہکار ہے، جو نہ صرف عربی ادب بلکہ اپنے دور کی معاشرتی تاریخ میں اعلیٰ اہمیت کا حامل ہے۔ 1163 صفحات کے اس ناول کو ایک جلد میں شائع کرنا ممکن نہ تھا، اس لیے یہ تین جلدوں میں تین مختلف ناموں سے شائع ہوا اور ادبی حلقوں میں یہ ناول ''الثلاثیۃ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد نجیب محفوظ کی تحریروں میں تعطل کا دور آیا۔ اور سات سال بعد ''**اولادنا حارتنا**'' 1959ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس میں بعض پیغمبروں کے علامتی کردار کو تمثیلی انداز میں، اس طرح پیش کیا گیا، جو مہذب حلقوں میں نامناسب سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مصر میں اس کی اشاعت پر آج تک پابندی عائد ہے البتہ یہ بیروت سے 1967ء میں شائع ہوا۔ اب ان کی توجہ مسلسل ناول نگاری پر مرکوز رہی۔ 1962ء سے 1988ء تک ان کے مزید 22 ناول منظرِ عام پر آئے ہیں۔ جولائی 2006ء میں ان کا آخری ناول شائع ہوا۔

نجیب محفوظ کے چالیس ناول، بہت سے افسانے اور ڈرامے شائع ہوئے۔ انھوں نے فلمی دنیا کے لیے بھی ڈرامے تحریر کیے۔ ان کے نصف سے زائد ناولوں پر فلمیں بن چکی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے کئی ناولوں کے تراجم انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سویڈش زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ان کے ضخیم ناول کا ترجمہ اسرائیل میں عبرانی زبان میں بھی ہوا۔ نوبل انعام نے ان کو شہرت کی بامِ عروج پر پہنچایا، لیکن اس سے پہلے عربی زبان کے بڑے بڑے ادیب ان کے ناولوں پر خراجِ تحسین پیش کر چکے تھے۔ ان میں عرب دنیا کے نامور ادباء ڈاکٹر طٰہٰ حسین، عباس محمود، العقاد اور توفیق الحکیم بھی شامل تھے۔ نجیب نے ان لوگوں کو ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھا اور نوبل انعام ملنے پر انھیں یاد کرتے ہوئے اپنے سے زیادہ انھیں اس انعام کا حق دار قرار دیا۔

ان کے افکار متنازع بھی رہے۔ اسی وجہ سے انھیں تشدد بھی سہنا پڑا۔ ان کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی فطرتی صلاحیتوں کا ادراک ہو اور مسلسل محنت کی جائے، تو ذہانت چھپی نہیں رہتی۔ انھوں نے تیسری جماعت میں لکھنا شروع کیا، جب بمشکل ان کی عمر نو دس سال ہو گی اور 94 سال کی عمر میں فوت ہوئے، موت آنے تک وہ لکھتے ہی رہے۔ ساری عمر لکھتے رہنا بذاتِ خود ایک بڑی عزیمت کی بات ہے۔

انھیں لکھنے سے عشق تھا۔ بچپن سے موت تک انھیں طرح طرح کے حالات کا سامنا رہا لیکن اُن کا قلم کبھی نہ رکا اور موت آنے تک وہ مسلسل لکھتے چلے گئے۔ ایک دفعہ کہنے لگے کہ اگر کسی روز لکھنے کی امنگ مجھ سے چھن جائے، تو میری خواہش ہو گی کہ وہ دن میری زندگی کا

آخری دن ہو۔ 1994ء میں ان پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ وہ زخمی ہو گئے ان کی گردن پر چھریوں کے وار کے بعد ان کے داہنے ہاتھ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ بڑھاپے کی کمزوریوں نے انہیں اور نحیف کر دیا تھا۔ وہ السر، گردوں اور دل کے مریض تھے اور نظر بھی کمزور ہو گئی تھی۔ قلم پکڑتے تو صرف چند منٹ لکھ پاتے، مگر لکھتے ہی رہے۔ 31 اگست 2006ء کو ان کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا اور انھیں پورے فوجی اعزاز کے ساتھ قاہرہ میں دفن کر دیا گیا۔

نجیب محفوظ اپنی بھرپور ادبی زندگی گزار کر اس دنیا سے سدھار گئے۔ لیکن وہ عربی ناول نگاری اور ڈرامہ نویسی کو اچھوتا اسلوب دے گئے۔ آج انہیں جدید عربی ناول نگاری کا اہم ادیب تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے ناولوں میں محلات کی سیاست کی بجائے معاشرے کے پسے ہوئے افراد کی داستان غم شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں عرب دنیا کے عوام الناس میں نہایت مقبول ہیں اور شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ نجیب محفوظ کے ادبی کارناموں پر ایک مضمون لکھیں۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ نجیب محفوظ نے کس عمر میں ناول پڑھنا شروع کیے؟

2۔ نجیب محفوظ کب گریجویٹ ہوئے؟

3۔ نجیب محفوظ کے کس ناول کا عبرانی زبان میں ترجمہ شائع ہوا؟

4۔ نجیب محفوظ کی ادبی تحریروں میں کس صنف کو اہمیت حاصل ہے؟

5۔ نجیب محفوظ کب فوت ہوئے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ نجیب محفوظ ابتدا میں.................. سے متاثر تھے۔

(ا) طٰہٰ حسین (ب) العقاد (ج) سلامہ موسیٰ (د) الف، ب، ج

2۔ نجیب محفوظ.................. سے سبکدوش ہوئے۔

(ا) جامعہ فواد الاول (ب) محکمہ تعلیم (ج) وزارت اوقاف (د) وزارت ثقافت

3۔ عرب اسرائیل جنگ (1967ء) کے بعد انھوں نے جو افسانے لکھے وہ.......... مجموعوں میں شائع ہوئے۔

(ا) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

4۔ نجیب محفوظ کے ناولوں کا غالب رجحان.................. ناولوں کی طرف ہے۔

(ا) معاشرتی (ب) تاریخی (ج) نفسیاتی (د) مثالی

5۔ نجیب کے چالیس ناولوں میں سے آخری.................. میں شائع ہوا۔

(ا) 1996ء (ب) 1999ء (ج) 2004ء (د) 2006ء

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
پیدائش	الثلاثیۃ	
جامعہ فوادالاول	1919ء	
ضخیم	2006ء	
انقلاب مصر	1934ء	
وفات	الجمالیہ	
	1911ء	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ لائبریری میں جا کر ایک ایک ناول اجرا کرائیں اور چند دن بعد ہر طالب علم ناول کا مختصر تعارف کرائے۔

2۔ پاکستان کے معروف ناول نگاروں کی فہرست مرتب کر کے کمرے میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ پر ادب کی اہمیت واضح کریں۔

2۔ اچھے ناولوں اور افسانوں کے مجموعوں کی ایک فہرست مرتب کر کے طلبہ کے استفادے کے لیے کمرے میں آویزاں کریں۔

جمشید نسروان جی مہتا۔۔۔۔۔۔ دریادل خدمت گار

جمشید نسروان جی مہتا

انھیں دنیا سے رخصت ہوئے چھپن برس بیت چکے ہیں' لیکن اہل کراچی کے ذہنوں میں ان کی یادیں آج بھی تازہ ہیں۔ کیونکہ وہ جدید کراچی کے بانی تھے اور دنیا اسے کراچی کا بے تاج بادشاہ کہتی تھی۔ وہ اپنے کردار، اخلاق اور بے لوث خدمت کے طفیل لاکھوں لوگوں کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ ارب پتی باپ کا یہ تاجر بیٹا فقیری میں زندگی بسر کرتا رہا لیکن اس دریادل انسان نے عوامی خدمت کے کئی ریکارڈ قائم کیے۔ اس عظیم انسان کا نام جمشید نسروان جی مہتا تھا۔ کراچی کی تاریخ ان کا ذکر کے بغیر نامکمل رہتی ہے۔

جمشید نسروان جی مہتا 7 جنوری 1886ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ وہ پارسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ یہ خاندان کراچی کا ایک کھاتا پیتا گھرانا تھا، جہاں دولت کی ریل پیل تھی۔ ان کا بچپن خوشگوار رہا۔ تعلیم کراچی ہی میں حاصل کی اور پھر والد صاحب کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹانے لگے۔ محنت ان کی عادت اور دیانتداری ان کا شیوہ تھا۔ جلد ہی کاروباری حلقوں میں ان کی ساکھ قائم ہوگئی۔ جہاں ایک طرف تجارت میں اُن کے نام کا سکہ چلتا' وہاں عوامی حلقوں میں ان کی شہرت ایک غریب پرور اور بے لوث سماجی کارکن کے طور پر پھیل رہی تھی۔

کاروبار کے ساتھ ساتھ انھوں نے سیاست میں بھی دلچسپی لینا شروع کی۔ اس زمانے میں سیاست کا رنگ آج کے دور سے بالکل مختلف تھا۔ لوگوں کے مجبور کرنے پر وہ اس خار دار میدان میں اترے اور 1918ء میں پہلی دفعہ بلدیہ کے کونسلر منتخب ہوئے اور جلد ہی انھیں بلدیہ کا صدر چن لیا گیا۔ اگلی کئی دہائیوں تک وہ مقامی سیاست کے افق پر چھائے رہے اور شاید ہی کوئی دن ایسا ہو' جب ان کا نام یا تصویر اخباروں کی زینت نہ بنی ہو۔ وہ بارہ سال تک مسلسل بلدیہ کے صدر رہے۔

آج کراچی کا شمار دنیا کے چند بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔ اُس کی آبادی کئی ملکوں کی آبادی سے زیادہ ہے۔ اور اقتصادی طور پر اسے پاکستان کا دل کہا جاتا ہے۔ انھوں نے کراچی کو ایک جدید شہر بنا دیا۔ ان کے دور میں کراچی کی کشادہ سڑکیں ہر رات کو دھوئی جاتی تھیں۔ انہوں نے شہر میں خوب صورت پارک اور شجر ہائے سایہ دار لگوائے تھے۔ سکول، ہسپتال، لائبریریاں قائم ہوئیں حتیٰ کہ جانوروں کی خدمت کے مراکز بھی قائم کیے۔ کراچی کو اعلیٰ بلدیہ (METROPOLITON CORPORATION) کا درجہ انہیں کے عہد میں دیا گیا' اور وہ 1933-1934 میں اس کے پہلے رئیس بلدیہ بھی رہے۔

اپنی منفرد شخصیت اور خدمات کی وجہ سے سندھ بھر میں انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ وہ ہر سیاسی، سماجی اور مذہبی تحریک میں پیش پیش رہتے۔ ہر تحریک میں ان کا نام کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا۔ وہ "مقامی حکومت" (HOME ROLE) تحریک میں نمایاں کردار ادا کر چکے تھے۔ انھیں ہند کے بڑے رہنماؤں کے ساتھ بھی کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ انہوں نے 1930ء میں ہاری کمیٹی کے قیام میں بھرپور حصہ لیا

اور انہیں مزدوروں کی انجمنیں بنانے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ضلع دادو کے لوگوں نے 1937ء میں ان کو سندھ اسمبلی کے لیے نمائندہ بنانا چاہا۔ چنانچہ وہ جہاں بھی جاتے ہزاروں لوگ انہیں دیکھنے کو امڈ آتے۔ لوگ ان کی شکل سے کم اور کام اور نام سے زیادہ واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے چاروں مخالف امیدواروں کے مجموعی ووٹوں سے بھی زیادہ ووٹ حاصل کیے۔ اور وہ صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ دو سال بعد جب انھیں احساس ہوا کہ اوروں کی سازشوں کی وجہ سے اسمبلی کا کاروبار ٹھیک طریقے سے نہیں چل سکتا' تو وہ اسمبلی سے مستعفی ہو گئے۔

جمشید جی ایک با اصول انسان تھے۔ انھوں نے اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہ کیا۔ جب انھیں احساس ہوا کہ شراب اور سپرٹ انسان کے لیے ہر طرح سے ضرر رساں ہیں، تو انھوں نے نہ صرف خود ان نشہ آور اشیاء کا استعمال ترک کر دیا' بلکہ دوسروں کو بھی ان سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ یہ ان کے کاروبار کا ایک حصہ بھی تھا، چنانچہ ایجنسیاں بند ہونے لگیں اور مالی طور پر انہیں کافی نقصان ہونے لگا۔ جمشید جی نے باپ کے اس کاروبار سے منافع لینا بھی بند کر دیا۔ ان کے والد پر دباؤ بڑھا کہ بیٹے کو سمجھائیں مگر صرف منافع کے لیے ان کے والد نے بیٹے کے اصول اور ضمیر کی آواز پر آنچ نہ آنے دی اور سارا نقصان بخوشی برداشت کر لیا۔

یہ ان کے کردار کی عظمت ہی تھی کہ عوام نے ہمیشہ ان پر اعتماد کیا۔ ایک دفعہ سنٹرل بنک آف انڈیا کے بارے میں افواہ پھیل گئی کہ بنک دیوالیہ ہو رہا ہے۔ لوگوں نے دھڑا دھڑ رقوم نکلوانا شروع کر دیں۔ وہ بنک میں گئے، صورت حال معلوم کی، باہر آ کر انھوں نے کرسی پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ بنک کی مالی حالت مضبوط ہے۔ میں آپ لوگوں کی رقوم کی ضمانت دیتا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ قطاروں میں کھڑے لوگ مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔ انھوں نے سیاست میں بھی کبھی غلط وعدہ نہیں کیا تھا' اس لیے ان پر لوگ بے انتہا اعتماد کرتے تھے۔

ایک انگریز خاتون مسز اینی بسنٹ نے برعظیم کی تحریک آزادی میں حصہ لیا، گرفتار بھی ہوئیں۔ ''مقامی حکومت'' کی تحریک میں بھی سرگرم رہیں۔ وہ بلا کی مقررہ تھیں۔ وہ تھیوسوفیکل سوسائٹی کی صدر بھی تھیں۔ جمشید جی ان کی ایک تقریر سن کر بے پناہ متاثر ہوئے۔ وہ تھیوسو فیکل سوسائٹی کے رکن بن گئے۔ یہ سوسائٹی غریب بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرتی تھی۔ ان دنوں 2000 طلبہ کی تعلیم کا ذمہ سوسائٹی نے اپنے سر لے رکھا تھا۔ جمشید جی نے اس دور میں 60 لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ اس کے علاوہ وہ ہریجنوں، جذامیوں اور جانوروں کی دیکھ بھال کے لیے بھی دل کھول کر چندہ دیا کرتے تھے۔ مہتا جی نے کراچی میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کی شاخ قائم کی اور یہ سوسائٹی آج بھی کراچی میں سرگرم عمل ہے۔

جمشید جی بچپن ہی سے دوسروں کے دکھ درد کا خیال رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ کروڑ پتی تھے لیکن وہ سادہ زندگی بسر کرتے اور اپنی آمدنی کا بڑا حصہ غریبوں، بیواؤں اور یتیم بچوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ وہ گاہے بگاہے ہسپتالوں اور بعض اوقات مریضوں کے گھروں میں عیادت کے لیے جاتے تھے۔ انھیں دیکھ کر مریضوں کے چہرے کھل اٹھتے۔ وہ خود بھی دکھی لوگوں سے مل کر خوش ہوتے تھے۔ بیماروں کی عیادت کرنے جاتے تو اپنے مخلص کارکنوں کو ساتھ لے جاتے، تاکہ ان کی بھی تربیت ہو جائے۔

جمشید جی بوائے سکاؤٹ تحریک کے بانی ارکان میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ 1952ء میں فوت ہو گئے۔ ان کی وفات پر محکمہ ڈاک پاکستان نے یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ کراچی میں جناح روڈ پر ان کے نام سے ایک بڑا ہال تعمیر کیا گیا۔ فلاسوفیکل سوسائٹی ہر سال ان کی برسی کے موقع پر اجلاس منعقد کر کے انھیں خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔ جب تک کراچی شہر قائم رہے گا' جمشید جی کا نام بھی زندہ رہے گا۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ جمشید نسروان جی مہتا کے کردار کا جائزہ لیجیے۔

2۔ "جمشید جی کی زندگی عوامی خدمت کی عمدہ مثال ہے" تبصرہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ جمشید نسروان جی مہتا کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

2۔ جمشید جی کتنا عرصہ کراچی بلدیہ کے صدر رہے؟

3۔ جمشید جی کی کون سی خوبیاں کاروباری ساکھ کا سبب بنیں؟

4۔ جمشید جی کس سوسائٹی کے ممبر بنے؟

5۔ جمشید جی کس شخصیت سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے؟

6۔ بنک میں جمشید جی کی تقریر کیوں مؤثر ثابت ہوئی؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ جمشید نسرواجی نے نشہ ترک کر دیا کیوں کہ

(ا) یہ ایک خلافِ قانون سرگرمی تھی   (ب) اسے سماجی طور پر برا سمجھا جاتا تھا

(ج) یہ صحت کے لیے نقصان دہ تھا   (د) مہنگائی بڑھ گئی تھی

2۔ جمشید نسروان جی مسز بسنٹ سے بہت متاثر تھے کیوں کہ

(ا) وہ بہت پارسا تھیں   (ب) بڑی عمدہ مقررہ تھیں

(ج) ہوم رول تحریک چلا رہی تھیں   (د) اچھی اور منجھی ہوئی سیاست دان تھیں

3۔ تھیوسائیکل سوسائٹی کا زیادہ زور

(ا) بچوں کی تعلیم   (ب) غریبوں کو کھانا کھلانے

(ج) مریضوں کی دیکھ بھال   (د) یتیموں کی پرورش

4۔ جمشید نسروان جی نے اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا کیوں کہ

(ا) ان کی دیگر مصروفیات بڑھ گئی تھیں

(ب) سازشوں کی وجہ سے وہ کام نہیں کر پا رہے تھے

(ج) لوگوں کا اعتماد کھو بیٹھے تھے

(د) انھیں سیاست سے نفرت ہو گئی تھی

5۔ جمشید نسروان جی ایک مقبول رہنما تھے کیوں کہ

(ا) غریب پرور اور بے لوث سیاسی کارکن تھے

(ب) کردار کے کھرے تھے

(ج) لوگوں کے دلوں میں اترنے کا فن جانتے تھے

(د) تھیوسافیکل سوسائٹی کے رکن تھے

(د) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط کے سامنے غ لکھیں۔

1۔ جمشید نسروان جی مہتا کا تعلق ایک مسیحی گھرانے سے تھا۔

2۔ 1918ء میں جمشید نسروان بلدیہ کے میئر منتخب ہوئے۔

3۔ جمشید نسروان بارہ سال بلدیہ کے صدر رہے۔

4۔ جمشید نسروان بوائے سکاؤٹ تحریک کے بانی رکن تھے۔

5۔ جمشید جی عموماً بیماروں کی تیمارداری کے لیے ہسپتال جایا کرتے تھے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ جمشید نسروان جی مہتا کی شخصیت کا جو پہلو آپ کو پسند آیا اس پر آدھے صفحے کا نوٹ لکھیں۔

2۔ آپ کے علم میں کوئی سماجی کارکن قابلِ ذکر ہو تو اس کے اوصاف دوسروں کو بتائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ ''رفاہِ عامہ اور ہمارے فرائض''، پر مضمون نویسی کا ایک مقابلہ کرائیں اور اوّل دوم آنے والوں کی حوصلہ افزائی کریں۔

2۔ مذاہب کا خدمتِ خلق میں کردار اس موضوع پر سوال و جواب کی ایک نشست رکھیں اور اہم نکات نوٹ کر کے کمرۂ جماعت کی زینت بنائیں۔

❁❁❁

مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم

الفاظ	معنی
تفہیم	فہمائش، سمجھنا، سوجھ بوجھ حاصل ہونا
حصول	حاصل ہونا
وصال الٰہی	وحدت میں فنا ہونا، خدا تعالیٰ سے ملنا
سماجیات	معاشرے یا سماج کا علم
اجتماعی	مشترکہ، سب کی
متعین	مقرّر
باطنی	ظاہری کی ضد، اندر کی
علم بشریات	انسان کے بارے میں علم کی شاخ
ماورائی	نظر نہ آنے والی بالا قوتیں
نسلیات	انسانی نسلوں کے بارے میں علم
اِرتقا	ترقی، بتدریج بڑھنا، بالیدگی
ہسٹریا	عورتوں کا ایک خاص مرض جس میں پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے
آفاقی	عالمگیر، پوری دنیا سے تعلق رکھنے والا
ہم عصر	ہم زمانہ، ایک عہد والے
ٹولٹک کلچر	ٹولٹک میکسیو کے قدیم حکمران تھے جنھوں نے ایک خاص تہذیب کو پروان چڑھایا۔
اطلاق	لاگو
فیلو	ہم سر، کسی تعلیمی ادارے کی انجمن کا رکن
ضخیم	بہت بڑا، موٹا
مخفی	چھپے ہوئے
مافوق الفطرت	فطری انداز سے بالا، ہٹ کر
تحلیل نفسی	نفسیاتی جائزے کا ایک طریق کار جس میں انسان کے ذہنی محرکات اور اعمال کا جائزہ لیا جاتا ہے۔
ٹوٹی ازم	ایک مذہبی عقیدہ کہ انسان کا تعلق کسی نہ کسی جانور، پودے یا بے جان چیز سے ہوتا ہے۔
جڑ پکڑنا	مضبوط ہونا، گہرائی تک اترنا
الٰہیات	ایسا علم جس میں خدا کے وجود اور ذات وصفات سے بحث کی جاتی ہے۔
مظاہر فطرت	فطرت کا اظہار، مختلف قسم کے قدرتی مناظر
ہیبت	خوف، رعب
پروٹسٹنٹ	ایک مسیحی فرقہ

مذہب پر معاشرے کے اثرات

الفاظ	معنی
ترسیل	پہنچانا
مسخ ہونا	اچھی صورت کا بری صورت ہونا

وحدتِ ادیان کا تصور

الفاظ	معنی
اساس	بنیاد
توجیہہ	وجہ بیان کرنا، دلیل لانا
عمل پیرا ہونا	عمل کرنا
مماثلت	مشابہت
وِجدان	علم کے حصول کی خاص قوت

مذہب اور سائنس

الفاظ	معنی
ماورائی	دنیا سے پرے
رسائی	پہنچ

نفس الامری	اصل بات، درحقیقت
تعین	مقرر
مفروضہ	فرض کیا گیا
بقا	باقی ہونا، بچ رہنا
بعدازاں	اس کے بعد
جامعیت	اکملیت، جامع ہونے کی کیفیت
عمومیت	عام ہونے کی حالت
مابعدالطبیعات	مافوق الفطرت
ایمان بالغیب	غائب پر یقین
قرینِ عقل	وہ بات جسے عقل قبول کرلے
مباحث	بحث یا تفتیش کا کام
عرفان	معرفت، خداشناسی
مفاہیم	مطالب

پاکستان میں مختلف مذاہب

الفاظ	معنی
تسلیم ورضا	خدا کی رضا پر راضی
جینا دوبھر کرنا	زندگی مشکل بنا دینا
زیرِنگیں آنا	مفتوح ہونا، ماتحت آجانا
پیرو	پیروی کرنے والے
استطاعت	طاقت
تہی دست	مفلس، کنگال
نووارد	نیا، اجنبی
زادِراہ	سفر کے اخراجات
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ	بیشک ہم اللہ کے لیے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔
استحکام	پختگی، مضبوطی
زیرِنگیں آنا	فتح ہوجانا
نووارد	اجنبی
تصویب	تصدیق
استطاعت	طاقت
تقویٰ	پرہیزگاری
صدقہ کرنا	عیدالفطر کے موقع پر ایک مقررہ نصاب صدقہ
کبریائی	عظمت، بڑائی
عقیقہ	بچے کی پیدائش پر بکرے کا صدقہ دینا
عزیز واقارب	رشتہ دار
دعائے مغفرت	بخشش کی دُعا

مسیحیت

الفاظ	معنی
پیروکار	پیروی کرنے والے
رجوع	راغب، پلٹ آنا، میلان
حواری	خاص، مددگار
اخلاص	خالص ہونا
پرچار کرنا	تبلیغ کرنا
توکل	بھروسا
ایثار	قربانی
عفوودرگزر	معاف کردینا
ماخذ	منبع
مصلوب کرنا	پھانسی دینا
روح القدس	مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام

ہندومت

الفاظ	معنی
ازبس	بے حد
رزمیہ	جنگ یا لڑائی سے متعلق
قوت جاذبہ	جذب کرلینے کی طاقت
اشنان کرنا	نہانا
ازسرِنو	نئے سرے سے

ضخیم	بہت بڑی
مرگھٹ	قبرستان
تجسیم	بت بنانا، جسمانی شکل دینا
جون	روپ، بھیس
ارتھی	میّت
سیوا	خدمت

زرتشتیت

الفاظ	معنی
انحراف	پھر جانا، لوٹ جانا
علیم	علم رکھنے والا
مکاشفہ	انکشافِ راز کرنا
بصیر	دیکھنے والا
پاتال	زمین کا سب سے نیچے کا حصہ

سکھ مذہب

الفاظ	معنی
ریاضت	محنت، مشق
کیرتن	موسیقی اور خوش الحانی سے حمد پڑھنا
لنگر	جہاں روزانہ غریبوں کو کھانا تقسیم کیا جاتا ہے
سنگھ	شیر
تشخص	شخصیت، امتیاز، خصوصیت
ستی	ہندومت کی ایک رسم جس میں خاوند کے مرنے پر اس کی بیوی بھی زندہ جلائی جاتی تھی۔
جَپ جی	گروگرنتھ صاحب جی کی ایک خاص نظم
پاٹھ	تلاوت، مقدس کتاب کا پڑھنا، سکھ مذہب میں گروگرنتھ کے پڑھے جانے کو کہتے ہیں۔
کور	شہزادی

اجتماعی عدل اور مساوات

الفاظ	معنی
برگزیدہ	پسندیدہ
بیڑا اٹھانا	ذمہ لینا
متاعِ کارواں	مراد قوم کی مال و دولت
احساسِ زیاں	نقصان کا احساس
کدورت	میل
سیّدنا	ہمارے آقا، ہمارے رہنما
منحرف ہونا	پلٹ جانا، لوٹ جانا
تفاوُت:	فرق، فاصلہ

آوے کا آوا بگڑنا سب کا خراب ہو جانا

فیوڈل لارڈز	جاگیردار طبقہ
اذہان	ذہن کی جمع
مداوا	علاج
سنگ دلی	سخت مزاج
آشتی	صلح، امن

کام کی جگہ پر وقت اور پابندی وقت کی اہمیت

الفاظ	معنی
افادیت	فائدہ
تفویض	سپردگی، تحویل
راست باز	سچا

کام کی جگہ کے آداب

الفاظ	معنی
معیوب	عیب دار، برا
بصیرت	عقل مندی، دل کی بینائی
تفویض کرنا	ذمے لگانا
چرب زبان	چکنی چپڑی باتیں کرنے والا
عافیت	سلامتی، خیریت
توقیر	عزت
آفات	مصیبتیں
چاپلوسی	خوشامد

حسن ظن	نیک گمان
مرگ	موت
استفادہ کرنا	فائدہ اٹھانا
لعن طعن کرنا	برا بھلا کہنا

ضمیر کا قیدی

الفاظ	معنی
بیش بہا	بہت بڑی
حریت پسند	آزادی کا متوالا
حقیر	کم درجے کا
دریچے	کھڑکیاں
مشقت طلب	مشکل
مصائب	مصیبتوں
وافر	کافی زیادہ
پائے استقامت	استقلال، عزم وارادہ مراد ہے
آدرش	اصول، نظریہ، معیار
امر	نہ مرنے والا، ہمیشہ کے لیے زندہ
رول ماڈل	نمونہ
مرہونِ منت	احسان مند، شکر گزار
رقم کرنا	تحریر کرنا

چھتنار

الفاظ	معنی
چھتنار	بہت بڑا سایہ دار درخت
لی جنڈ	افسانوی کردار
توانا	طاقت ور
انصرام	بندوبست
صلہ	بدلہ
ستائش	تعریف

مادرِ مہرباں

الفاظ	معنی
جذامی	کوڑھ کے مریض
سمبل	علامت

غریبوں کا مسیحا

الفاظ	معنی
روگ	دکھ، بیماری، وبال
استحصال	لوٹ مار
ڈیفالٹر	قصوروار
پیش قدمی	آگے بڑھنا

عرب دنیا کا عظیم ناول نگار

الفاظ	معنی
مُسلّمہ	تسلیم شدہ
جیّد	نیک، خالص، زبردست
طوطی بولنا	شہرت ہونا
دسترس	پہنچ
بلند پایہ	اعلیٰ معیار کے
تعطل	التوا
تمثیلی	قصے کہانی والا، ڈراما کا
متنازع	جھگڑے کا باعث
گریزاں	بچے رہنا

دریا دل خدمت گار

الفاظ	معنی
سر آنکھوں پر بٹھانا	بہت عزت کرنا
کھاتا پیتا گھرانہ	امیر کبیر خاندان
آنچ آنا	حرف آنا، نقصان ہونا
ہوم رُول	حکومتِ خود اختیاری
ہاری	کاشتکار، مزارع

ڈاکٹر محمد شفیع مرزا

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع مرزا نیا دارہ برائے تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب، لاہور میں 30 سال تک تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ وہ دس سال تک صدرِ شعبہ بھی رہے۔ انھوں نے دورانِ ملازمت انڈیانہ یونیورسٹی (امریکہ) سے تدریسی تربیت بھی حاصل کی اور ریٹائرمنٹ کے بعد عالمی بنک کے تعاون سے چلنے والے آزاد کشمیر کے لیے ایک منصوبے میں بطور مشیر وابستہ رہے۔ ان کے زیرِ نگرانی کئی طلبہ پی ایچ ڈی اور ایم فل کے مقالات مکمل کر چکے ہیں۔ وہ قومی نصاب سازی کی کمیٹی برائے فنی مضامین، حکومت پاکستان، اسلام آباد کے 1984ء سے رکن ہیں۔ ان کے بہت سے تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں اور دیگر اشاعتی اداروں نے ان کی ایک درجن سے زائد کتب شائع کی ہیں۔ وہ آج کل تخیلاتی جامعہ (ورچوئل یونیورسٹی) سے وابستہ ہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی

ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی نے جامعہ پنجاب کے ادارہ برائے تعلیم و تحقیق سے تعلیم میں ماسٹر کی سند اوّل بدرجہ اوّل حاصل کی۔ اس کے بعد ایم فل اور پی ایچ ڈی کی اسناد حاصل کیں۔ محکمہ تعلیم حکومت پنجاب میں طویل مدت تک تدریسی اور انتظامی امور سرانجام دینے کے بعد آج کل جامعہ پنجاب کے ادارہ برائے تعلیم و تحقیق اور پنجاب سائنس کالج لاہور میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اقبال اکادمی پاکستان کے دائمی رکن ہیں۔ اکادمی نے ان کی دو کتابیں شائع کی ہیں۔ تحقیق اور نصابیات ان کے خاص میدان ہیں۔ ان کے بہت سے مقالات و مضامین ملکی و غیر ملکی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، آفاق اور دیگر کئی اداروں نے ان کی ایک درجن سے زائد کتابیں شائع کی ہیں۔

نصاب اخلاقیات برائے جماعت گیارھویں

صفحہ	عنوان
01	پہلا باب: مذاہب کا تعارف
01	1- مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم
08	2- مذہب پر معاشرے کے اثرات
20	دوسرا باب: پاکستان میں مختلف مذاہب
20	1- اسلام
26	2- مسیحیت
43	تیسرا باب: اخلاقی اقدار
43	1- اجتماعی عدل اور مساوات
46	2- معاشرتی ادارے
46	(ریاستی ادارے)
47	(سماجی ادارے)
53	چوتھا باب: آداب
53	کام کی جگہ کے آداب
55	1- خدمت گار
56	2- ملاقاتی
59	پانچواں باب: مشاہیر
64	1- عبدالستار ایدھی
68	2- مدر ٹریسا
80	3- جمشید سروان جی مہتا